تفسیر ضیاء القرآن کے نثری اسلوب کے فنی محاسن کا مطالعہ

ڈاکٹر امتیاز احمد، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ علوم عربی وعلومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

"Tafsir Zia-ul-Quran" by Pir Karam Shah has a distinguished place in Urdu prose. It has clarity and rational argumentation. It is based on fascinating expression alongwith favourable conception. It impresses mind and heart by its pure and fluent Urdu. Besides plainness it contains delicacy of expression. It conveys point under consideration by brevity. It is characterised by sympathy with sorrowful which is sign of red literature. It has adopted a unique style by presenting examples from Urdu, Persian and Arabic poetry for explaining Quranic verses. Arabic idioms have also been stated. Intellectual argument, fine expression and decency are maintained in dealing with issues of controversy. It has acquired a distinct place in religious literature of Urdu by rendering service to humanity, haracter-building, eradication of false ideas and assisting in defining real aim of life.

قرآنِ حکیم پوری انسانیت کے لیے ایک عظیم انعامِ خداوندی ہے۔ پیغمبرِ رحمتؐ نے اس کے تلاوت، اس کے معانی کے علم کو حاصل کرنے اور اس کے پیغام کو عام کرنے کو کارِ خیر قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے پیروکاروں نے نہ صرف قرآنِ کریم کے الفاظ و معانی کو محفوظ رکھنے کے لیے بے مثال کاوشیں کی ہیں بلکہ اس کے حروف کو ٹھیک ٹھیک زبان سے ادا کرنے کی غرض سے ایسے علوم وفنون کی بنیاد ڈالی جن کی نظیر دنیا کے کسی مذہب اور کسی زبان میں نہیں ملتی۔

اسی طرح قرآن ایک ایسا کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب معاشرے کی روحِ فخر و ناز کا سرمایہ اور ان کی نشر و اشاعت کا ذریعہ سب کچھ شعر و ادب تھا۔ ایسے ماحول میں ایک پیغمبرِ اُمّیؐ نے قرآنِ کریم پیش کر کے اعلان کیا کہ اس جیسا کلام پیش کرو۔ یہ اعلان درحقیقت

ان کی ادبی صلاحیتوں کو ایک زبردست چیلنج تھا۔ لیکن ہوا کیا؟ اس اعلان کے بعد اُن آتش بیاں خطیبوں اور شعلہ نوا شاعروں کی محفل میں سنّاٹا چھا گیا، اور کوئی شخص بھی اس کلام کے مقابلے میں چند جملے بھی بنا کر نہ لا سکا۔ حالانکہ یہ وہ قوم تھی کہ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ دنیا کے آخری سرے پر کوئی شخص اپنی فصاحت و بلاغت پر غیر معمولی گھمنڈ رکھتا ہے تو وہ اس پر تنقید کرنے اور اپنے اشعار میں اس پر چوٹیں کسنے سے باز نہ رہ سکتی تھی۔ قرآن کریم ایک ایسی نثر پر مشتمل ہے جس میں شعر کے قواعد وضوابط ملحوظ نہ ہونے کے باوجود ایک ایسا لذیذ اور شیریں آہنگ پایا جاتا ہے جو شعر سے کہیں زیادہ حلاوت اور لطافت کا حامل ہے۔ یہی سبب ہے کہ جاہلی عربوں نے اسے شعر قرار دیا جبکہ وہ جانتے تھے کہ شعر کے لیے وزن اور قافیہ کی پابندی ضروری ہے۔(۱)

ہر شخص اپنے مافی الضمیر کو مختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے۔ کوئی ایجاز و اختصار کو ذریعہ بناتا ہے تو کوئی شرح وبسط سے کام لیتا ہے۔ کسی کو سہل انداز پسند ہے تو کوئی تشبیہ واستعارہ سے اپنی تحریر کو مزین کرتا ہے جبکہ تفسیر ضیاء القرآن کا اسلوب اردو ادب کا ایک شاہکار ہے جس نے نثری اسالیب کی جملہ خصوصیات کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ پیر کرم شاہ الازہری (۲) نے انیس سال کی شبانہ روز جدو جہد کے بعد ایک ایسا منفرد نثر پارہ تیار کیا جس کی اساس جذبہ و تخیل، احساس وادراک، اثر انگیزی، لذت آفرینی، محاکات ومحاورات اور قولِ محال پر رکھی گئی ہے۔ یہ نثر وضاحت، قطعیت اور منطقی استدلال کا خوبصورت امتزاج ہے۔ ڈاکٹر سید حامد حسین نے بلحاظِ استعمال، نثر کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے: کلامی، بیانیہ نثر، استدلالی نثر اور ادبی نثر۔ ان مذکورہ چار اقسام میں سے استدلالی نثر کی بابت ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

استدلالی نثر اپنے مواد اور اسلوب کے لحاظ سے کلامی یا بیانیہ نثر سے زیادہ خصوصی ذہنی صلاحیتوں کی پیداوار ہے۔ یہ نثر عقلی استدلال، منطقی ترتیب اور علمی معروضیت سے اپنا اعتبار حاصل کرتی ہے۔ زیرِ بحث مسائل کے مختلف قضیات کی شناخت، ان کی مختلف نکات کی شکل میں تحلیل اور ان نکات کا تجزیہ اور تجربے سے برآمد ہونے والے نتائج کی منطقی ترتیب سے اس قسم کی نثر کی خصوصیات مرتب ہوتی ہیں اور اسے مذہب، فلسفہ، سائنس، تنقید ادب وغیرہ پر بحث کے لیے خاص طور پر اپنایا گیا ہے۔(۳)

تفسیر ضیاء القرآن کا بغور مطالعہ کرنے سے قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس کی نثر اپنے مواد اور اسلوب کے اعتبار سے استدلالی نثر کی نوع میں سے ہے۔ اور جا بجا اس کا استعمال تفسیرِ مذکور میں نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں سورہ۔۔۔۔۔ کی آیت ''مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ الخ'' کی توضیحی عبارت ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

''کیا اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ ہیں؟ اسلاف کا مسلک یہ ہے کہ وہ ان کلمات کی تاویل نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں جس طرح آیت میں مذکور ہے۔ لیکن وہ کیسے ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے، ہمیں اس کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی ان کی حقیقت کو جانتا ہے۔ اور متاخرین علماء کہتے ہیں کہ اس سے

مراد یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کو میں نے ماں باپ کے واسطہ سے پیدا کیا لیکن آدم کو بلا واسطہ محض اپنی قدرت سے پیدا فرمایا۔ تو یہاں ید کا معنی قدرت ہے اور یہ استعمال لغتِ عرب میں عام ہے۔ اور دو ہاتھ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان دو مختلف الحقیقت چیزوں سے مرکب ہے۔ جس سے جو مادی ہے، اور روح سے جو مجردات میں سے ہے۔ بتایا کہ ایک ہاتھ سے اس کے ظاہری جسم کو اور دوسرے ہاتھ سے اس کے باطن یعنی رُوح کو تخلیق فرمایا''۔ (۴)

شخصی اسلوب، جس میں کسی شخصیت کے دل کی دھڑکنیں، فکر و احساس کی لہریں اور جذب و شوق کے سلسلے سمائے ہوئے ہوتے ہیں، آسانی سے پیدا نہیں ہو جاتا۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اسے عطیۂ قدرت سے تعبیر کیا ہے جو ریاض سے نہیں ملتا نہ ہی اتفاقیہ امر ہے۔ آپ کے خیال میں زبان اپنے ذخیرۂ لفظی سمیت موجود ہوتی ہے۔ صرف ونحو کے قواعد بھی متعین ہو جاتے ہیں۔ لیکن انہی لفظوں اور قاعدوں کے بے ساختہ استعمال میں جب کوئی اہلِ قلم اپنی شخصیت کو بھی سمو دیتا ہے تو شخصی اسلوب ظہور میں آتا ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن میں لفظوں اور قواعد کے استعمال میں بے ساختگی نے صاحبِ تفسیر کی شخصیت کو نمایاں کر دیا ہے۔ آئندہ سطور میں اس کی مثالیں آئیں گی۔ (۵)

ڈاکٹر اسحاق قریشی نے تفسیرِ مذکور کو اردو زبان میں نثرِ مرسل کا شاہکار قرار دیا ہے۔ اس بارے لکھتے ہیں:

''پڑھتے ہی سماعت چٹخارے لیتی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ ایک دینی ماحول میں پرورش والا وجود کس طرح ادب شناسی کے اس جوہر سے مستنیر ہوا کہ نہ عبارت آرائی کا تکلف ہے اور نہ بھاری بھرکم کلمات ارسالِ معنی میں رکاوٹ بنتے ہیں اور نہ ہی قافیہ پیمائی منزل سے بہکاتی ہے، عربی عبارات کا اک جہان بھی آباد ہے مگر قاری کے لیے دشواری نہیں کہ اردو قالب کی سہولت بھی موجود ہے''۔ (۶)

میر غلام بھیک نیرنگ (۱۸۷۴ء۔۱۹۵۲ء) نے سجاد حید یلدرم کی خیالستان کے طرزِ خیال اور اندازِ بیان کا جائزہ لیا تو حُسنِ بیان کو نہ صرف قائم رکھنے بلکہ ترقی دینے اور ساتھ ہی حُسنِ خیال کو حُسنِ بیان کی بنیاد قرار دینے پر زور دیا۔ تفسیر ضیاء القرآن کی بیشتر عبارتیں اس کا ثبوت ہیں۔ (۷)

پروفیسر سلطان احمد نے پیر کرم شاہؒ کو نہ صرف منفرد نثر نگار قرار دیا ہے بلکہ تفسیر کے ادبی رنگ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ فاضل مفسر الفاظ کو بہت عمدہ انداز سے ترتیب دیتے ہیں گویا آپ کے سامنے الفاظ کے رنگین موتیوں کا انبار موجود ہے۔ آپ اپنے ذوق اور پسند کے مطابق ان میں نہایت عمدہ اور نفیس الفاظ کا انتخاب کر کے ان سے اپنی تفسیر کو مزین کرتے ہیں۔

مولانا ظفر اقبال کلیار کے خیال میں ضیاء القرآن کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کو مقامی زبان اردو میں تالیف کیا گیا ہے۔ نیز مؤلف نے نہایت آسان، رواں اور شُستہ زبان استعمال کی ہے حتیٰ کہ ہر شخص اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ (۸)

ڈاکٹر سید شاہد علی کا تعلق جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے ہے، آپ نے تفسیر ضیاء القرآن کے اسلوب کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے سادہ اور عام فہم قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں تفسیر مذکور میں سے سورۃ النساء کی ایک آیت میں لفظ 'روح' کی توضیح سے متعلق درجِ ذیل اقتباس نقل کیا ہے:

''روح کے معنی ہیں: ما بِه الحياة جس کے ساتھ زندگی قائم ہو۔ اور زندگی دو قسم کی ہوتی ہے: حسّی اور معنوی۔ حسّی زندگی وہ ہے جس کے ذریعے چلنا، پھرنا، بولنا، سننا اور سمجھنا اور یاد کرنا وغیرہ قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور معنوی وہ ہے جس سے مکارمِ اخلاق، رحم، سخاوت، محبت وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کو بھی کئی بار روح کہا گیا ہے کیونکہ وہ حیاتِ معنوی کا سبب ہے۔۔۔۔ اور حضرتِ مسیحؑ کیونکہ حیاتِ حسی اور معنوی دونوں کے مظہرِ اتم تھے اس لیے آپؑ کو بطورِ مبالغہ روح یعنی سراپا روح کہہ دیا جیسے ہم کسی بہت خوبصورت انسان کو ''حُسنِ مجسم'' کہہ دیتے ہیں۔ (۹)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ادب کی دو قسمیں بتائی ہیں: عمومی ادب اور تخلیقی ادب۔ اول الذکر سے مراد کسی قوم کا کل سرمایۂ تحریر ہے جسے ادبیات بھی کہا جاتا ہے۔ جبکہ تخلیقی ادب ان تحریروں سے عبارت ہے جو زندگی کی عکاسی، اور ترجمانی تخیل کی مدد سے اس طرح کرتی ہیں کہ قاری کو جمالیاتی مسرت بھی ملتی ہے اور بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ ان معنوں میں وہ تحریریں تخلیقی ادب نہیں کہلائیں گی جو دماغ سے مخاطب ہوں اور قلب کو نظر انداز کر دیں۔ (۱۰) تفسیر ضیاء القرآن عمومی اور تخلیقی ہر دو قسم کے ادب سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ تفسیر ایک قومی سرمایۂ تحریر بھی ہے اور جمالیاتی مسرت اور بصیرت کا باعث بھی ہے۔ اس کا مخاطب دماغ اور قلب دونوں ہی ہیں۔

سورۃ النساء کی تفسیر کے دوران چند جملے ایسے نظر سے گزرے کہ قلب و ذہن میں معاشرے کی اساسی اکائی گھر کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ پیر کرم شاہؒ صاحب رقمطراز ہیں:

''گھر ہی قوم کی خشتِ اول ہے۔ گھر ہی وہ گہوارہ ہے جہاں قوم کے مستقبل کے معمار پرورش پاتے ہیں۔ گھر ہی وہ مدرسہ ہے جہاں اخلاق و کردار کی جو قدریں اچھی یا بُری، بلند و پست لوحِ قلب پر لکھ دی جاتی ہیں۔ ان کے نقوش کبھی مدھم نہیں پڑتیں۔ صرف جذبات کتنے پاکیزہ اور معصوم کیوں نہ ہوں، حقائق کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں لا سکتے۔ قرآن حقائق کو حقائق کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ اس لیے گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے مبہم نصیحتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لیے واضح اور غیر مبہم قاعدے اور ضابطے متعین فرما دیئے''۔ (۱۱)

نثر کے تشکیلی نظام کے دو بنیادی عناصر ہیں: پہلا منطقی ترتیب اور دوسرا معیاری حیثیت۔ ڈاکٹر سید حامد حسین نے دونوں عناصر پر یوں روشنی ڈالی ہے:

خیال و بیان کی منطقی ترتیب عقلی شعور کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے۔۔۔ ترتیب کے ساتھ ایسا توازن بھی ضروری ہے جس سے جن نکات پر زور دیا جاتا ہے وہ ابھر کر آئیں۔ چنانچہ ترتیب و توازن کی

ضرورت کے پیشِ نظر تفصیلات کے مناسب انتخاب کی احتیاج ہوتی ہے۔ اسی انتخاب کے نتیجے میں خیال و بیان میں ایک جامعیت پیدا ہوتی ہے جس کی خوبی ایک ایسا ایجازِ بیان ہے جو خیال میں پیچیدگی، ابہام یا اہمال پیدا کیے بغیر اصل نکتے کی ترسیل میں کامیاب ہو۔ اس ایجاز کے حصول کے لیے نثر نگار بعض ایسی اظہاری اشکال پر انحصار کرتا ہے جنہیں رواج سے معیاری ہونے کی سند ملی ہو اور جو اشتباہ والتباس کے بغیر کسی خاص نکتے یا کیفیت کی ترسیل پر قدرت رکھتی ہوں۔ (۱۲)

تفسیر ضیاء القرآن کی نثر بھی منطقی ترتیب، توازن اور ایجازِ بیان کا مرکب ہے جس سے خیال بلا روک ٹوک قاری کے فہم و ادراک تک پہنچ جاتے ہیں۔ پیر کرم شاہ صاحب نے نثر کی اظہاری اشکال میں سے حسن و عشق کے استعاروں کو تفسیر مذکور میں ایک مقام پر تصوف کے ضمن میں نہایت عمدگی سے استعمال کیا ہے۔

''کون کہتا ہے حسن کو عشق عزیز نہیں یا محبوب کو اپنے عاشقِ دلفگار کی پروا نہیں۔ جب کوئی نیاز مند دردِ سوز سے بے چین ہو کر سوئے منزل چل پڑتا ہے تو اسی وقت سے حُسن کی نوازشیں شروع ہو جاتی ہیں، اسے بڑا خیال رہتا ہے کہ عاشقِ زار دل شکستہ نہ ہو جائے۔ بظاہر تغافل ہوتا ہے۔ حقیقت میں اس تغافل میں بھی توجہ کی کشش صاف معلوم ہوتی ہے جو مایوس نہیں ہونے دیتی۔ ہر لحہ قدم قدم پر راہ نوردِ عشق کی خبر گیری کی جاتی ہے کہ کوئی راہ زن اس کی متاعِ شوق نہ لوٹ لے۔ یہ نوازشیں ہوتی ہیں تب ہی کوئی مسکینِ بے نوا ہجر کی طویل راتوں کو کاٹتا ہوا جدائی کے عریض صحراؤں کو طے کرتا ہوا سرِ نیاز قدمِ یار پر رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔۔۔۔ حریمِ ناز کے دروازے عشق نہیں کھولتا اور نہ کھول سکتا ہے بلکہ حسن کی دل نوازیاں آگے بڑھ کر اپنے آبلہ پا مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں اور خود ہی از راہِ بندہ پروری اپنے رُخ سے نقاب اُلٹ دیتی ہے''۔ (۱۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے فرد کے دکھ اور شفقت کے مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے قریب ترین ادب میں ایک خاص خلا محسوس ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس کا عمومی رویہ یا تو اجتماعی غم و اضمحلال ہے، جس کا اکثر تعلق بھوک سے ہے یا پھر اپنی ذاتی آشوب کی رودادیں ہیں۔ انسان (فرد) کا بہ حیثیت فرد غم اور اس سے ذاتی ہمدردی اور شفقت کا رویہ مفقود ہے۔ سچے ادب میں ہر غم زدہ انسان سے شفقت و غم گساری کا عنصر لازم ہے۔ اسی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رحمت کا تصور بھی ہزاروں برسوں سے انسان کی چارہ سازی کر رہا ہے۔۔۔۔ رحمت کے تصور سے وہ قلوب بھی تسکین پا سکتے ہیں جن کا مداوا خارجی طور سے ممکن نہیں۔ (۱۴)

عصری ادب میں یاس اور جھنجلاہٹ کیوں؟ اس سوال کے متعلق جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''آخری سہارے'' کی قابلِ ذکر تشریح کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

ہمارے شعرائے قدیم کی نا امیدی نا قابلِ تلافی نہ تھی، ان کے پاس مداوا تھا جس کی وجہ سے کسی نہ کسی مرحلے میں وہ امید کی پناہ گاہ میں پہنچ جاتے تھے اور زندگی کا استقامت کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔۔۔۔ ممکن ہے بعض نے کسی خاص موڈ کے تحت یہ بھی کہا ہو کہ انسان کی فطرت بد ہے اور زندگی کا انجام بجز خسران

کچھ نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی قابلِ ذکر شاعر اتنی دور نہیں گیا کہ ''آخری سہارے'' ہی کا انکار کر بیٹھا ہو۔۔۔ میر اور غالب اردو شاعری میں (فانی سے پہلے) غم کے سب سے بڑے ترجمان تھے مگر یہ میر ہی تھا جس نے دنیا سے مایوس ہو کر بھی آخری سہارے کو فراموش نہیں کیا:

میر بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ

اور یہ غالب ہی تھا جس نے کہا تھا:

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا (۱۵)

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۶ میں ''اِنّی قریب'' کے الفاظ کی توضیح سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ انسان سے غم گساری کی ادبی خصوصیت کو تفسیرِ مذکور میں منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ پیر صاحب تحریر کرتے ہیں:

''انی قریب'' کے دو لفظوں میں راحت و اطمینان کی دنیا سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ کسی فصلِ بہار کی نسیمِ سحر میں، کسی ابرِ نیساں کے حیات بخش قطروں میں وہ اثر کہاں، جو اثر ان دو لفظوں میں ہے۔ دکھ درد کا مارا جب یہ سنتا ہے کہ میرا مالک، میرا خالق مجھ سے الگ تھلگ کہیں دور نہیں کہ اسے میرے حال کا علم نہ، رنج و الم کی خبر نہ ہو، بلکہ وہ قریب ہے، بالکل قریب، نزدیک ہے، رگِ جاں سے بھی زیادہ نزدیک، تو اُسے کتنا قرار آجاتا ہے۔ تمہاری زبان پر آئی ہوئی بات تو کیا، تمہارے دل میں منہ چھپائے ہوئے اسرار جو قوتِ گویائی کو اپنا چہرہ دکھانے سے شرماتے ہیں، افکار اور اندیشوں کے وہ نازک و لطیف آبگینے جو ہوائی صوتی لہروں کو بھی برداشت نہیں کر سکتے، ان سب کو وہ جانتا ہے''۔ (۱۶)

پروفیسر سید وقار عظیم نے مولوی عبدالحق کی زبانی سادگیء بیان کی عمدہ توضیح کی ہے کہ سادہ زبان لکھنے کا مطلب محض سادہ الفاظ اکٹھا کرنا نہیں ہوتا کیونکہ ایسی تحریر سپاٹ اور بے مزہ ہوگی۔ سلاست کے ساتھ لطفِ بیان اور اثر بھی ہونا چاہیے، یہ صرف باکمال ادیب کا کام ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ زبان پر پوری قدرت ہو اور اس کے ساتھ موضوعِ تحریر پر بھی کافی وسیع اور گہری نظر ہو۔۔۔۔ جن کا علم ادھورا ہوتا ہے وہ کبھی اپنے خیالات صفائی اور خوبی سے ادا نہیں کر سکتے۔ (۱۷)

پروفیسر محمد نور الحسن ضیاء تفسیر ضیاء القرآن کے مصادر کا عمومی تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ صاحبِ تفسیر نے جملہ علوم و فنون پر مشتمل تفاسیر کا اور دیگر فنون کی امہات الکتب کا نہ صرف عمیق مطالعہ کیا بلکہ حسبِ موقع ان کا نچوڑ ایسے حسین پیرائے اور ادبی اسلوب میں پیش کیا کہ قاری اس کی معنویت کا اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (۱۸)

علامہ شبلی نعمانی نے میر انیس اور مرزا دبیر کی شاعری پر مفصل تنقید اور ان کے کلام کا موازنہ کیا اور

اسے موازنہ انیس و دبیر سے معنون کیا۔ اس کتاب میں آپ نے حسنِ کلام کے ضمن میں ایک نکتہ بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہیں۔ مہیب، پر رعب، سخت، نرم، شیریں، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صورت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض نرم، شیریں اور لطیف ہوتے ہیں۔ بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے، بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے۔ رزم، مدح وذم، فخر، وعظ و پند، ہر ایک کے لیے جدا جدا الفاظ ہیں، جو ادباء اس نکتہ سے آشنا ہیں وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہیں اور یہ ان کے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے۔ (۱۹)

علامہ شبلی نعمانی کا بیان کردہ نکتہ کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کے استعمال کے ذریعے ایک ماہر ادیب کلام میں تاثیر پیدا کرتا ہے، صاحبِ تفسیرِ ضیاء القرآن نے اس چیز کا تواتر سے اہتمام کیا ہے۔

حضورؐ کی نبوت سے انکار کرنے والوں نے جہاں طرح طرح کے اعتراضات کیے وہیں یہ فرمائش بھی کی کہ اگر آپؐ یہ خشک کالے پہاڑ ہٹا کر ہموار میدان بنا دیں جس میں چشمے ابلنے لگیں، نہریں بہنے لگیں تو ہم آپ کی پیروی کریں گے۔ پیر کرم شاہ نے زبانِ رسالت سے اس جواب کو یوں بیان کیا:

میرا کام ظاہری چشمے جاری کرنا نہیں۔ میں تو معرفتِ الٰہی کے چشموں سے تمہارے اجڑے ہوئے چمنِ حیات کو از سرِ نو بہار آشنا کرنے آیا ہوں۔ ان پہاڑوں کو تم ڈائنامیٹ سے بھی اڑا سکتے ہو۔ میں ایسے حجابات اٹھانے کے لیے آیا ہوں جنہوں نے تمہارے دلوں کی آنکھوں کو اندھا بنا رکھا تھا۔ مجھ سے جو اور چنے کے بھاؤ نہ پوچھو۔ مجھ سے اپنے ربِّ کریم کے قرب و رضا کے طریقے سیکھو۔ میں تمہیں بت کدۂ تصورات سے نکال کر حریمِ ذات تک لے جاؤں گا۔ (۲۰)

سید امتیاز علی تاج نے زبان کے ''اندازِ خاص'' کی اصطلاح استعمال کی ہے جس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

زبان قاری یا سامع کے ذہن کو دو طرح سے متاثر کرتی ہے۔ ایک تو حروفِ الفاظ کے ذریعے ذہن میں ایک معنئ خاص منتقل کرتی ہے۔ دوسرے اصواتِ الفاظ کی امداد سے غیر محدود خیالات کی محرک ہوتی ہے۔ جہاں تک سامع کے علم کو دخل ہے، مدلولاتِ الفاظ سے صرف ایک معنئ خاص مفہوم ہوتے ہیں مگر التزاماً مدلولاتِ الفاظ کے متعلق بہتیری دوسری صفات کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔ جب زبان کے یہ دونوں اثر یعنی معنئ اصلی اور لوازم و متعلقات یا ادراکِ مطلب و احساسِ کیفیت ایسی مساوی قوت سے عمل کرتے ہوں کہ قاری یا سامع کے ذہن پر بجائے اس کے دو جداگانہ اثر پڑیں، دونوں مدغم و منضم ہو کر اثرِ واحد کا حکم رکھتے ہوں تو ایسی زبان بلحاظِ فصاحت ایک ''انداز خاص'' رکھتی ہے۔ (۲۱)

سورہ اخلاص کی تفسیر میں درج ذیل عبارت میں 'اندازِ خاص' کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

''بسا اوقات کمال بھی حجاب بن جایا کرتا ہے۔ کمالات بے شمار ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے

حجابات بھی ان گنت ہیں۔ کہیں حسن، کہیں قوت ، کہیں دولت، کہیں اقتدار وحکومت اور کہیں جنگی فتوحات روئے زیبا کو مستور کر دیتے ہیں۔ ان حجابات کو وہی اٹھا سکتا ہے، ان نقابوں کو وہی اُلٹ سکتا ہے جو خود جملہ کمالات سے یوں متصف ہو کہ اس کی نظیر پیش نہ کی جا سکے۔ اے حبیبؐ! ہم نے آپ کو تمام کمالات کا پیکرِ رعنا بنا کر بھیجا ہے۔ اٹھیے اور اپنی صدائے دلنواز سے نخوت و پندار کے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیجئے۔ فرعون نے ملکِ مصر کی حکمرانی سے اپنا دماغی توازن کھو دیا تھا اور خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ تجھے میں نے وہ سلطانی عطا فرمائی ہے کہ انگلی کے اشارے سے چاند دوٹکڑے ہو جاتا ہے''۔ (۲۲)

اصحابِ پیغمبرؐ میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر کے ضمن میں اشعار سے استشہاد فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ قرآنِ مجید کی معمولی سے معمولی بات کے بارے ان سے کچھ دریافت کیا جاتا تو آپ اشعارِ عرب سے اس کی وضاحت فرما دیتے۔ ایک مرتبہ نافع بن الازرق نے قرآن کے دوسو الفاظ سے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے سوالات پوچھے تو آپ نے ہر ایک لفظ سے متعلق ایک شعر سنا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ ہی کا ارشاد ہے کہ:

''اذا سالتمونی عن غریب القرآن فالتمسوہ فی الشعر فان الشعر دیوان العرب ''یعنی اگر تم مجھ سے غریب القرآن کے بارے استفسار کرنا چاہو تو اسے اشعارِ (عرب) میں ڈھونڈو کیونکہ شاعری عربوں کا دیوان ہے۔ (۲۳)

پیر کرم شاہؒ شعری روایت کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی نے اس بات کی یہ وضاحت کی ہے کہ فاضل مفسر ایضاحِ مطلوب کے لیے اشعار بھی درج کرتے ہیں۔ ایک ہی سورت میں آٹھ شعر درج ہیں جو حسنِ انتخاب کا اظہار ہے۔ (۲۴)

پروفیسر سلطان احمد نے ''تفسیر ضیاء القرآن کی خصوصیات و امتیازات '' کے عنوان کے تحت ایک تحقیقی مقالہ لکھا جو تفسیر ضیاء القرآن نمبر میں شائع ہوا۔ اس میں پروفیسر صاحب نے پیر کرم شاہ کو ایک بے مثال نثر نگار قرار دیا ہے۔ نیز آپ میں موجود اردو شاعری کے عمدہ ذوق کو نمایاں کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پیر صاحب نے تفسیر قرآن جیسے مشکل فن میں اردو اشعار کو برمحل استعمال کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیے:

''سورہ فاتحہ کا آغاز الحمد سے کیا۔ اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سالک جب راہِ طلب میں قدم رکھے تو پہلے اپنے ربّ کی حمد کرے، جس نے اس راہ پر گامزن ہونے کی اسے توفیق بخشی، جس نے منزلِ مقصود کی لگن اس کے دل میں پیدا کہ کیونکہ ؎

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں (۲۵)

پیر کرم شاہؒ کو علامہ محمد اقبالؒ کی ذات سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔آپ کی شاعری سے بہت لگاؤ تھا۔آپ فرماتے کہ علامہ کا وجود میرے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ ہے۔ میں نے بہت سے افکار ونظریات علامہ سے لئے ہیں۔خصوصاً فقر کی اصطلاح کا صحیح مفہوم اقبال کے کلام سے سمجھا ہے کہ فقر بے کار رہنے کا نام نہیں بلکہ فقر ایک عظمت ہے۔آپ اپنے طلبہ کو کلیاتِ اقبال فارسی سبقاً پڑھاتے تھے۔اور فرماتے: کلیاتِ اقبال اپنے ساتھ رکھا کرو۔ یہ ہر مشکل اور کٹھن وقت میں تمہاری رہنمائی کرے گی اور زندگی کے ہر حصہ میں تمہارے لئے خضرِ راہ ثابت ہوگی۔(۲۶)

ڈاکٹر ہمایوں عباس نے تفسیر ضیاء القرآن کے اسلوب اور پیر کرم شاہ صاحب کی فکر پر ایک تحقیقی مضمون لکھا جو ضیائے حرم کی ضیاء الامت نمبر مطبوعہ اپریل ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔اس میں فاضل محقق نے ذکر کیا ہے کہ پیر کرم شاہ ایسی علمی و روحانی شخصیت ہیں جن کا اقبال شناسی میں بلند مقام ہے۔آپ کی فکر اور فکرِ اقبال میں ایک مماثلت پائی جاتی ہے۔ جسے ثابت کرنے کے لیے پیر صاحب نے تفسیر ضیاء القرآن میں متعدد مقامات پر اقبال کے اشعار نقل کیے ہیں۔(۲۷)

ضیاء القرآن جلد اول میں پیر کرم شاہ صاحب نے آیت کی توضیح کرتے ہوئے کلامِ اقبال کچھ اس طرح استشہاد کیا ہے:

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرمؐ کو مبعوث فرمایا جس نے آ کر انسان کی آنکھ سے جہالت کی پٹی کھولی۔اس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں کو تازہ بینائی مرحمت فرمائی اور اسے بتایا کہ یہ مہر و ماہ، ارض وسما، کوہ و دمن، دریا وصحرا تیرے مسجود نہیں، تیرے معبود نہیں، بلکہ تیرے غلام ہیں،تو قدمِ شوق اُٹھا تو سہی، ان کی ساری نخوتیں تیری راہ میں پامال ہونے کے لیے بے چین ہیں، تو چشمِ جہاں بیں کھول کر تو دیکھ، ان کی ساری رعنائیاں اپنے نقاب الٹنے کے لیے بے تاب ہیں اور تو ان سے ڈر کر، مرعوب ہو کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، اور جب بھاگ نہیں سکتا تو غش کھا کر سجدہ کناں ان کے قدموں پر گر پڑتا ہے۔ فاران کی چوٹیوں سے ایک مسیحا نے ان خوابیدہ قوتوں بلکہ انسان کے خوابیدہ بخت کو جھنجوڑا۔

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قم باذن اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
تیری رگوں میں وہی خوں ہے قم باذن اللہ

تفسیرِ مذکور کی تیسری جلد میں نبی کریمؐ کی عظمتوں اور شانِ اولیت کا ذکر کرنے کے بعد پیر کرم شاہؒ رلکھتے ہیں: حضرت علامہ اقبال نے حاملِ لواء الحمد اور صاحبِ مقام محمود کی مدح سرائی میں جب یوں گل فشانی کی ہوگی تو کیا عجیب سماں ہوگا۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین ہوی طٰہٰ

تفسیر مذکور کی جلد سوم ہی میں پیر کرم شاہؒ نے امتِ مسلمہ کے اسلاف کی تحقیقات کی جانب اشارہ کیا ہے جو ان کے غور وفکر کا نتیجہ ہیں۔لیکن ان کے علمی، تحقیقی اور تخلیقی کارناموں سے فائدہ اٹھانے کی جب باری آئی تو افرادِ امت غفلت کی چادر تان کر سو گئے۔

پیر صاحب لکھتے ہیں: وہ قوم جو قرآن جیسی کتاب کی حامل ہے، بے حسی اور جمود کے آغوش میں اونگھ رہی ہے، اسے اونگھتے صدیاں بیت چکی ہیں اور ابھی تک وہ جاگنے کا نام نہیں لیتی۔اقبال نے اسی بددعا یا دُعا کی تھی۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

''الٰہی ہمارے جوانوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار فرما۔ان کے دلوں کو حقیقت سے آشنا کردے۔ انہیں اپنی دینی اور قومی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی لگن بخش دے۔ان تن آسانوں کو سوزِ آرزو سے تڑپا دے۔

خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر
جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضٰی سوزِ صدیق دے

محترم عمرانہ وسیم نے تفسیر ضیاء القرآن کے شعری مآخذ پر تحقیق کر کے ایسے اشعار کی تخریج کی ہے جو عربی زبان میں ہیں۔ان کی تعداد تقریباً ۷۴ بنتی ہے۔پیر کرم صاحب نے تفسیرِ مذکور میں جن شعراء کے اشعار درج کیے ہیں ان میں نمایاں ترین امرؤ القیس، عمر بن فارض، امام وصی علی بن حاجب، ضرار بن خطاب، اسلام بن زبعری، ابن نفطویہ، عباس بن مرداس، ابو تمام، حسان بن ثابتؓ، امام شرف الدین بوصیری، ابن حاجب، لبید، اصمعی، عمرو بن کلثوم، فرزدق، متنبیؔ، شاہ ولیؒ اللہ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ ہیں۔ فاضل محققہ کے مطابق اشعار کا استعمال قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کرتا ہے جب مسجدِ نبوی میں جمعہ کا خطبہ ہوتا یا کوئی علمی حلقہ لگتا۔مزید برآں اشعار کا استشہاد، کلمہ کی ترکیب لفظ کا معنی اور آیت کا مفہوم سمجھنے میں بہت ممد و معاون

ثابت ہوتا ہے۔ صاحب تفسیر نے زمانۂ جاہلیت، صدرِ اسلام، مخضرمین شعراء اور برصغیر کے شعراء کے اشعار کو بطور استشہاد ذکر کر کے گرانقدر ادبی کاوش کی ہے۔ (۲۸)

پیر کرم شاہ صاحب نے اپنی تفسیر میں بے شمار مقامات پر قرآنی آیات میں بعض الفاظ کے معانی و مفہوم کی وضاحت اور تشریح کے لیے عربوں کے کلام میں روز مرہ استعمال ہونے والے محاورات کو بھی تحریر کیا ہے۔ کیونکہ جب تک اہلِ زبان کے محاورات کا علم نہ ہو، بعض الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے، اسی لیے شاہ ولی اللہ دھلوی نے مفسر کے لیے محاوراتِ عرب سے کما حقہ، واقفیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ (۲۹)

طوالت کے خوف سے تفسیر ضیاء القرآن میں سے یہاں پر دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

تفسیر مذکور میں سورۃ الضُّحٰی کی آیت نمبرے میں لفظ ''ضَآلًّا'' کی تشریح عرب محاورے سے یوں کی گئی ہے:

''جب پانی دودھ میں ملا دیا جائے اور پانی پر دودھ کا رنگ غالب آ جائے تو عرب کہتے ہیں: ضَلَّ الْماءُ فِی اللَبَن. کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا'' اس وضاحت کی روشنی میں آیت مذکور کا جو ترجمہ سامنے آیا اس کی بدولت آدابِ رسالت میں تقصیر سے قاری محفوظ ہو گیا۔ اس لفظی توضیح کے بعد آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

''اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا، تو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا''۔

صاحبِ تفسیر سورۂ یونس کی آیت نمبر ۹۳ میں مُبَوَّأَ صِدق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''مبوأ کو صدق سے موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ عرب کی یہ عادت ہے کہ جب کسی چیز کی توصیف کرتے ہیں تو اسے صدق کی طرف مضاف کر دیتے ہیں، یعنی یہ چیز اتنی عمدہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جو توقع کی جائے گی وہ چیز اس پر پورا اترے گی اور توقع کرنے والے کی تصدیق کر دے گی''۔

پروفیسر حبیب اللہ چشتی نے اندازِ بیان کی اہمیت اور تفسیر ضیاء القرآن کے اسلوب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر اچھی بات وزنی ہوتی ہے بعینہ اسے عمدہ طریقے سے بیان کرنے کا بھی وزن ہوتا ہے۔ الفاظ کا موزوں انتخاب مخاطِب کا خوبصورت لہجہ اور دلیل کو بیان کرنے کا حکیمانہ انداز بات کو پُر جمال بنا دیتے ہیں۔ اس کے برعکس قوی دلیل بھی اپنا حُسن کھو دیتی ہے جب الفاظ غیر موزوں استعمال کیے جائیں۔ تفسیر ضیاء القرآن میں شدید اختلافی مسائل کے تذکرہ میں حُسنِ بیان اور آدابِ شائستگی واضح نظر آتے ہیں۔ (۳۰)

پیر کرم شاہؒ نے ضیاء القرآن میں خصوصی طور پر وہ مسائل جو ملتِ اسلامیہ کے مختلف طبقوں کے درمیان وجہِ اختلاف ہیں، کے متعلق ایسی بحث فرمائی ہے کہ حق پوری طرح آشکارہ ہو گیا ہے اور کسی بھی طبقہ کی دل آزاری بھی نہیں ہوئی۔ اس معتدل فکر کا سبب کیا ہے، اس ضمن میں آپ نے تحریر فرمایا:

''ملتِ اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے، اِن رِستے ہوئے ناسُوروں کو مندمل کرنا ہے۔ اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے۔ یہ کہاں کی دانشمندی اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں، ان ناسوروں کو اذیت

ناک اور تکلیف دہ بناتے رہیں''۔(۳۱)

ڈاکٹر سید عبدالباری کے نقطۂ نظر کے مطابق مشرق میں شعر و ادب کو اعلیٰ اقدار اور روایات کا ترجمان ان شخصیات نے بنایا ہے جن کے پاس کوئی پیامِ اصلاح اور تصورِ حیات تھا اور ان کو اسے لوگوں کے دلوں میں اتارنے کا سلیقہ بھی آتا ہے۔ اور جو ادیب و شاعر کسی تصورِ حیات کے حامل نہیں ہوتے ان کا المیہ عدمِ ترسیل ہے۔(۳۲)

ادب کے اندر سماج کو بدلنے، بنی نوعِ انسان کی خدمت کرنے اور زندگی کے لیے ممد ثابت ہونے کی صلاحیت موجود ہو اور اس صلاحیت کا انحصار اس امر پر ہے کہ ادیب ایک ایسے نظریہ کا حامل ہو جو حیات بخش و حیات آفریں ہو اور ساتھ ہی ساتھ ادیب کے اندر زندگی کے گوناں گوں پہلوؤں کے مطالعہ و مشاہدہ اور اس مشاہدہ سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی اہلیت ہو۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے تعمیرِ ملت میں اسلامی ادب کے کردار بارے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ آپ کے نزدیک ادیب یا شاعر کی تخلیق کے لیے قصد و ارادہ ناگزیر ہیں۔ اور ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی ادبی تخلیق میں انسانیت کے فائدے اور منفعت کو ضرور پیش نظر رکھیں۔ یہ فائدہ اور منفعت دلچسپی اور تفریح کے سامان کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے اور انسانی کردار سازی اور عملی زندگی کے رُخ کے تعین میں ممد و معاون ہونے کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔ ادب کو انسانی ذہن تیار کرنے اور انسانیت کا بول بالا کرنے کا بہترین وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ قرونِ اولیٰ کے شعراء، ادباء اور خطباء نے قرآن کریم اور ارشاداتِ نبوی کی روشنی میں ایک قابلِ فخر وسیع ذخیرہ تیار کیا جس کے نتیجہ میں ایک فکری اور ثقافتی انقلاب برپا ہوا۔ اس کے اثرات ہنوز محسوس کیے جا سکتے ہیں۔(۳۳)

پیر کرم شاہ صاحب مارچ ۱۹۹۳ء میں مصر تشریف لے گئے جہاں مصر کے صدر حُسنی مبارک نے آپ کی علمی و دینی خدمات کے اعتراف میں تمغۂ امتیاز پیش کیا۔ اس موقع پر ریڈیو قاہرہ (صوت القاہرہ) نے اپنی اردو نشریات کے لیے آپ کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ مذکورہ انٹرویو میں آپ نے اپنی تصانیف کے علاوہ اپنے ترجمہ ''جمال القرآن'' اور تفسیر ''ضیاء القرآن'' کے متعلق اظہارِ خیال فرمایا تھا۔ آپ نے مؤخر الذکر کے بارے میں کہا: قرآنِ کریم کے ہزاروں پہلو ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے لیکن میرے نزدیک ان میں سے اہم ترین یہ ہے کہ یہ ''کتابِ ہدایت'' ہے۔ جس قسم کی غلط فہمیوں، غلط عقائد یا غلط اندیشوں میں لوگ مبتلا ہیں ان کو ظلمات سے نکال کر ہدایت کی نورانی شاہراہ پر گامزن کرنا۔ اس لیے میں نے ہر مقام پر کوشش کی ہے کہ قرآنِ کریم کی روشنی میں ہم کس طرح ان غلط عقائد و نظریات سے باہر نکل کر شاہراہِ ہدایت پر گامزن ہو سکتے ہیں۔(۳۴)

پیر کرم صاحب نے ضیاء القرآن کے مقدمہ میں تفسیری مقاصد کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک کا تعلق ان کے اسلوب سے بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

یہ امت بھی بعض خودغرض اور بدخواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے

ٹکڑے ہو گئی۔۔۔اس پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنے کے لیے یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ انہیں قرآنِ حکیم کی طرف بلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو نہایت شائستہ اور دلنشیں پیرائے میں پیش کیا جائے۔ پھر ان کی عقلِ سلیم کو اس میں غور و فکر کی دعوت دی جائے۔(۳۵)

حواشی:

۱۔ عثمانی، محمد تقی، علوم القرآن، (کراچی، دارالعلوم، ستمبر ۲۰۱۰ء)، ص ۲۵۹۔۲۶۲

۲۔ پیر کرم شاہ یکم جولائی ۱۹۱۸ء کو بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی پیر محمد شاہؒ ایک بلند پایہ صوفی اور غازی اسلام کے لقب سے مشہور تھے۔ پیر صاحب نے ۱۹۳۶ء میں میٹرک کیا اور ۱۹۴۰ء میں اورئینٹل کالج لاہور سے فاضلِ عربی کا امتحان نمایاں پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔ ۱۹۴۲ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد (انڈیا) تشریف لے گئے اور صدر الافاضل اور مولانا محمد عمر سے سندِ حدیث حاصل کی۔ جولائی ۱۹۵۱ء میں جامعہ از ہر مصر کا رخ کیا اور شعبۂ فقہ و اصولِ فقہ میں داخلہ لیا۔۱۹۵۳ء میں تعلیم مکمل کر کے وطن واپس آئے۔ ۱۹۵۷ء میں اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد ان کے قائم کردہ تعلیمی ادارے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کا انتظام و انصرام سنبھالا اور قدیم دینی اور جدید عصری علوم کے امتزاج سے ایک نیا اور مفید نصابِ تعلیم تشکیل دیا۔ بعد ازاں پورے ملک میں تعلیمی اور رفاہی اداروں کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا جو ہنوز سرگرم عمل ہے۔ چند اہم اشاعتی اداروں کے علاوہ آپ کی یادگار ایک ادبی رسالہ بھی ہے جو ضیائے حرم کے نام سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے۔ آپ نے تحریکِ پاکستان کے ایک سرگرم کارکن کے طور پر بھی سیاسی خدمات انجام دیں اور قیامِ پاکستان کے بعد اہم ملکی مسائل پر تحریر و تقریر کے ذریعے اظہارِ خیال کرتے رہے۔ ۱۹۷۷ء تا ۱۹۹۳ء روس، انگلستان، چین، بھارت، جرمنی، سپین، مصر، انڈونیشیا سمیت کئی غیر ممالک کا دورہ کیا اور مختلف عالمی کانفرنسز میں شرکت کی۔ حکومتِ پاکستان نے آپ کو اہم اداروں کی کلیدی عہدوں پر فائز کیا۔ اور ستارۂ امتیاز سے نوازا جبکہ صدر حسنی مبارک نے مصر کا اعلیٰ سرکاری اعزاز نور الامتیاز عالمی عطا کیا۔ ۹/۱۰ ذوالحجہ کی درمیانی شب ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء میں انتقال ہوا۔ آپ نے ایک یادگار علمی سرمایہ چھوڑا ہے جس میں تفسیر ضیاء القرآن، سنت خیر الانامؐ، ضیاء النبی بہت اہم علمی و تحقیقی نوعیت کی تصانیف ہیں۔

۳۔ حامد حسن، ڈاکٹر، نثر اور اندازِ نثر، (لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، طبع اوّل، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۱۔۱۴

۴۔ الازھری، پیر کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، رمضان ۱۳۹۹ھ)، جلد نمبر ۴، سورہ ص ۳۸، حاشیہ ۶۷، ص: ۲۵۲

۵۔ ذوالفقار، غلام حسین، ڈاکٹر، محاسنِ خطوطِ غالب، (لاہور، مکتبۂ خیابانِ ادب، طبع اول،

فروری ۱۹۶۹ء)،ص ۱۶

۶۔ تفسیر ضیاء القرآن نمبر، جلد ۵۔۶، شمارہ ۴۔۱، اکتوبر تا مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۲۔۳

۷۔ یلدرم، سجاد حیدر، سید، خیالستان، مرتب از سید معین الدین، (لاہور، اردو مرکز، ۱۹۶۸ء)، ص ۳۱۶۔۳۱۷

۸۔ تفسیر ضیاء القرآن نمبر، ص ۱۹۷

۹۔ ایضاً، ص ص ۳۶۹۔۳۷۰

۱۰۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ادب و فن، (لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۷۱

۱۱۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، تفسیر ضیاء القرآن، جلد نمبر، سورۃ النساء، حاشیہ نمبر

۱۲۔ حامد حسین، سیّد، ڈاکٹر، نثر اور اندازِ نثر، (لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، طبع اول، ۱۹۸۴ء)، ص ص ۱۵۔۱۶

۱۳۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج ۴، سورۃ الاحزاب: حاشیہ ۷۸۔

۱۴۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ادب و فن، (لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء)، ص ص ۲۹۷۔۲۹۸

۱۵۔ ایضاً، ص ص ۱۸۰۔۱۸۱

۱۶۔ تفسیر ضیاء القرآن نمبر، ص ۳۱۷

۱۷۔ وقار عظیم، سید، فن اور فن کار، (لاہور، اردو مرکز، س۔ن)، ص ۱۸۹

۱۸۔ تفسیر ضیاء القرآن نمبر، ص ۱۳۵

۱۹۔ شبلی نعمانی، علامہ، موازنہ انیس و دبیر، (کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن)، ص ۴۲

۲۰۔ تفسیر ضیاء القرآن، سورۂ نمل، حاشیہ ۷۸

۲۱۔ یلدرم، سجاد حیدر، سید، حوالۂ مذکور، ص ۳۱۹

۲۲۔ تفسیر ضیاء القرآن، سورۃ اخلاص، حاشیہ ا، جلد ۵، ص ۶۷۱

۲۳۔ ندیم، عبدالماجد، الاستشهاد بالشعر العربی و دوره فی توضیح الكلمات القرآنية، مقالہ مشمولہ مجلہ القسم العربی (شعبۂ عربی) جامعہ پنجاب، شمارہ ۹، ۲۰۰۲ء، ص ص ۵۳۔۵۴

۲۴۔ تفسیر ضیاء القرآن نمبر، ڈاکٹر اسحاق قریشی، تفسیر ضیاء القرآن؛ روحِ عصر کی امین، ص ۲۸۴

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۱۵

۲۶۔ جمالِ کرم، (لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ۶۴۲/۳

۲۷۔ ماہنامہ ضیاء حرم ضیاء الامت نمبر، (لاہور، اپریل ۲۰۰۰ء)، ص ۱۵۰

۲۸۔ تفسیر ضیاء القرآن نمبر، ص ص ۱۳۷۔۱۶۱

۲۹۔ ایضاً، مقالہ از پروفیسر سلطان احمد، ص ۳۳۹

۳۰۔ تفسیر ضیاء القرآن نمبر، چشتی، حبیب اللہ، پروفیسر، تفسیر ضیاء القرآن؛ ''اختلافی مسائل کا

حسین بیان''، تفسیر ضیاء القرآن نمبر، ص: ۴۳۴۔۴۳۶

۳۱۔ جمالِ کرم، ج ا/ص ۶۲۱۔۶۲۲

۳۲۔ عبدالباری، سید، ڈاکٹر، بیسویں صدی کے اُردو ادب کا جائزہ، (دہلی: ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۰۶

۳۳۔ ظہور احمد، اظہر، ڈاکٹر، تعمیرِ ملت میں اسلامی ادب کا کردار، (قافلۃ الادب الاسلامی سہ ماہی، اگست ۲۰۰۰ء۔جنوری ۲۰۰۱ء)، ص ۱۰۵۔۱۰۷

۳۴۔ جمال کرم، بحوالہ محبوب الرسول قادری، ۸۰/۲۔۸۱

۳۵۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج ا، ص

۳۶۔ احمد بخش، حافظ، جمال کرم، ج ۳، ص ص ۱۳۰۔۱۳۱

مآخذ:

ا۔ الازھری، پیر کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، رمضان ۱۳۹۹ھ)، جلد نمبر ۴، سورہ ص ۳۸، حاشیہ ۶۷۔

۲۔ حامد حسن، ڈاکٹر، نثر اور اندازِ نثر، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، طبع اوّل، ۱۹۸۴ء۔

۳۔ ذوالفقار، غلام حسین، ڈاکٹر، محاسنِ خطوطِ غالب، لاہور، مکتبۂ خیابانِ ادب، طبع اول، فروری ۱۹۶۹ء۔

۴۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ادب و فن، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء۔

۵۔ شبلی نعمانی، علامہ، موازنہ انیس و دبیر، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن۔

۶۔ ظہور احمد، اظہر، ڈاکٹر، تعمیرِ ملت میں اسلامی ادب کا کردار، قافلۃ الادب الاسلامی سہ ماہی، اگست ۲۰۰۰ء۔جنوری ۲۰۰۱ء۔

۷۔ عبدالباری، سید، ڈاکٹر، بیسویں صدی کے اُردو ادب کا جائزہ، دہلی: ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۱ء۔

۸۔ یلدرم، سجاد حیدر، سید، خیالستان، مرتب از سید معین الدین، لاہور، اردو مرکز، ۱۹۶۸ء۔

☆☆☆